© rasailojaraid.com

قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر

{ازجناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم ۔ اے (عثمانیہ)}

(۲)

اس سوالیہ فقرے کے بعد قرآن ہی میں اس دعوے کا اعلان کیا گیا یعنی

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ — بلکہ وہ تو بلند و بالا بہ تر قرآن ہے لوح محفوظ میں

اس کا بہ ظاہر یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فرعون و ثمود جیسی قوموں کی سی جبار حکومتوں کی طاقت بھی قرآن کو غیر محفوظ کرنے کی کوشش کسی زمانہ میں بھی خدانخواستہ اگر کرے گی تو ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا ۔ تیرہ سو سال سے قرآن کے اس دعوے کی دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی تصدیق کر رہے ہیں " ہم قرآن کو محمد کا کلام اسی طرح یقین کرتے ہیں جس طرح مسلمان اس کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں "۔ (اعجاز التنزیل صفحہ ۵)

یہ ایک غیر مذہب کے آدمی کا ایسا منصفانہ اعتراف ہے کہ قرآن کی تاریخ سے تھوڑی بہت بھی جو واقفیت رکھتا ہے خدا کا کلام اس کو نہ بھی مانے لیکن اس اعتراف و اقرار پر تو اپنے آپ کو وہ یقیناً مجبور پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو جن خصوصیتوں کے ساتھ دنیا کے حوالہ کیا تھا ابتداء سے اس وقت تک بغیر ادنیٰ تغیر و تبدل اور سرِ مو تفاوت کے وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ کروڑہا کروڑ مسلمانوں میں اس طریقہ سے منتقل ہوتی ہوئی چلی آرہی ہے کہ سال دو سال تو خیر بڑی بات ہے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ قرآن ہی مسلمانوں سے کبھی جدا ہوا اور نہ مسلمان قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے جدا ہوئے اور اب تو طباعت واشاعت وغیرہ کے لامحدود ذرائع کی پیدائش کا نتیجہ یہ ہو چکا ہے کہ میر درد سودا کی غزلوں یا اسی قسم کی دوسری معمولی چیزوں کو بھی کوئی اب دنیا سے مٹا نہیں سکتا تو قرآن کے سننے سنانے کا بھلا اب امکان ہی کیا باقی رہا!

اس وقت تک میں نے قرآن کی انھیں اندرونی شہادتوں کا ذکر کیا ہے جن کے نتائج اور مفاد کو وہ بھی مانتے ہیں اور ان کو ماننا بھی چاہئے جنھوں نے اب تک اس کتاب کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کیا ہے قرآن جن کے نزدیک خدا کی کتاب ہے ان کے لئے تو اس سلسلہ میں خود قرآن ہی نے کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم سجدہ) قرآن میں نہ سامنے سے الباطل کے گھسنے کی گنجائش ہے اور نہ پیچھے سے

اس کا حاصل یہی ہے کہ الباطل (یعنی قرآن کا جو جزء نہیں ہے) اس کے لئے خدا نے ذمہ داری لی ہے کہ چاہنے والے کسی راستہ سے بھی چاہیں کہ قرآن میں اس کو داخل کردیں تو وہ ایسا نہیں کرسکتے ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو خدا کے الفاظ جو تسلیم کرچکا ہو کیا وہ اپنے آپ کو مسلمان باقی رکھ سکتا ہے اگر کسی لفظ یا شوشہ تک کے اضافہ کا قرآن میں وہ تصور کرے؟

اور جو حال اضافہ کا ہے بجنسہ وہی کیفیت کمی کی بھی ہے خود قرآن کا اتارنے والا خدائے ذوالجلال فرماتا ہے

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ (القیامۃ) قطعاً ہم پر قرآن کے جمع رکھنے کی ذمہ داری ہے

جب خدا اس کے جمع کرنے کی ذمہ داری لے چکا تو اس کی صورت ہی کیا باقی رہتی ہے کہ قرآن میں جن چیزوں کو خدا جمع کرچکا ہے اس کو قرآن سے کوئی نکال دے، یا اپنی جگہ سے کوئی ہٹا دے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی کے بعد اگر غور کیا جائے تو قُرْاٰنَہٗ کے لفظ کا اضافہ بلا وجہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ بعض پوشیدہ شکوک و شبہات کے ازالہ کا اس میں سامان مل سکتا ہے سوال ہو سکتا تھا کہ صرف جمع کرنے اور باقی رکھنے کی ذمہ داری اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَہٗ کے الفاظ سے لی گئی ہے جس کا مفاد یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے کسی جزء کو خدا غائب نہ ہونے دیگا اور قرآن دنیا میں اپنے تمام اجزاء کے ساتھ رہتی دنیا تک موجود رہے گا لیکن اسی دنیا میں بیسیوں کتابیں ایسی ہیں جن کا پڑھنے والا اب کوئی باقی نہیں رہا ایسی صورت میں کتاب کا دنیا میں رہنا نہ رہنا دونوں باتیں برابر ہیں اب اگر سوچئے تو اس خطرے کا جواب "قُرْاٰنَہٗ" کے لفظ میں پا سکتے ہیں یعنی اس کی بھی ذمہ داری "قرانہ" کے لفظ سے لی گئی کہ قیامت تک اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خدا پیدا کرتا رہے گا اور اس وقت تک یہ ذمہ داری جیسا کہ دنیا دیکھ رہی ہے خدا پوری کر رہا ہے آگے سوال ہو سکتا تھا کہ پڑھنے والے بھی باقی رہیں لیکن سمجھنے اور سمجھانے والے اگر غائب ہو جائیں تو اس وقت بھی کتاب کا افادہ ختم ہو جائے گا جیسے آج وید کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس کی زبان اتنی پرانی ہو چکی کہ لغت کی مدد سے بھی اس کا سمجھنا مشکل ہے[1] اسی وسوسے کا ازالہ

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَہٗ — پھر ہم ہی پر ہے اس کا بیان بھی۔

سے کیا گیا ہے یعنی قرآنی آیات کے صحیح مطالب بیان کرنے والوں کو بھی ہر زمانہ کے اقتضاء

---

[1] سندلال جی اپنی مشہور کتاب گیتا اور قرآن میں وید کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی (یعنی وید کی) زبان اتنی پرانی اور عجیب ہے اور ایک ایک منتر کے اتنے اتنے طرح سے ارتھ لگائے جا سکتے ہیں کہ بے پڑھے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ودوانوں (علماء) کے لئے بھی ہزاروں برس سے وید ایک پہیلی رہا ہے اور ہمیشہ پہیلی ہی رہے گا۔ ص ۹۶ کتاب مذکور اردو ایڈیشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق قدرت پیدا کرتی رہیگی اور تیرہ صدیوں سے اس کا تجربہ بھی مسلسل ہو رہا ہے دراصل انھیں تفصیلات کا اجمالاً ذکر قرآن کی مشہور آیت میں فرمایا گیا ہے جسے عموماً مولوی اپنے وعظوں میں لوگوں کو سناتے ہی رہتے ہیں یعنی

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر)

ہم ہی نے اس ذکر (جو نمک پیدا کرنے والی کتاب) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی قطعاً حفاظت کرنیوالے ہیں

بہرحال بیرونی شہادتوں سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو قرآن کی اندرونی شہادتوں سے ان سارے سوالوں کے جوابوں کو ہم حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن جیسی کسی کتاب کے متعلق دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن میں نوشت و خواند سے متعلق الفاظ انتہا یہ ہے کہ قرآن کے عہد نزول میں عرب کے ماحول کی جو نوعیت نوشت و خواند کے لحاظ سے تھی عرب کی صحیح تاریخ کا جنھوں نے مطالعہ نہیں کیا ہے نیز قرآن ہی کی ایک اصطلاح یعنی لفظ "جاہلیت" کے اصطلاحی معنی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بعض لوگ اس مغالطہ میں جو مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جاہلیت کے اس دور میں قرآن کی کتابت کے امکان کی صورت ہی کیا تھی؟ انھوں نے باور کر لیا ہے کہ عرب میں نہ لکھنے والے پائے جاتے تھے اور نہ لکھنے پڑھنے کا سامان اس وقت اس ملک میں موجود تھا مگر کاش معترضین کا یہ گروہ صرف قرآن ہی کا مطالعہ کر لیتا تو اس کتاب میں باربار رق، قرطاس، صحیفہ، صحف، قلم، زبر، الواح، مداد، (روشنائی)، اسفار، کتب وغیرہ الغرض ایسی ساری چیزیں جن کا عموماً نوشت و خواند سے تعلق ہے اس کے ذکر سے خود قرآن کو بھرا پائیں گے اور یہ تو لکھنے پڑھنے کے سامان کا حال ہے باقی رہا لکھنے والے سو حیرت ہوتی ہے کہ عرب کے اس زمانہ کے باشندوں کی طرف قرآن ہی میں

© rasailojaraid.com

یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ)

لکھتے ہیں وہ لوگ کتاب اپنے ہاتھوں سے اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے۔

اور ایسی آیتیں مثلاً

یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْکِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْکِتٰبِ (آل عمران)

اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں کتاب کے ساتھ تاکہ تم سمجھو وہ کتاب میں ہے اور نہیں ہے وہ کتاب

پڑھتے ہیں پھر لین دین کے جس قانون کا طویل بیان (سورۂ بقرہ کے آخر) میں پایا جاتا ہے اور تاکید کے ساتھ قرضی معاملات کے لکھنے کا اصرار قرآن نے جو کیا ہے سوچنا چاہئے کہ ان امور کا انتساب ان لوگوں کی طرف کسی حیثیت سے کیا صحیح ہو سکتا ہے جو نوشت و خواند سے قطعاً بیگانہ اور ناآشنا ہوں۔

قرآن میں جاہلیت کے معنی | رہا جاہلیت کا لفظ سو میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ قرآن کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے متعدد مقامات پر اس نے اپنی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے مثلاً مردوں اور عورتوں کی مخلوط سوسائٹی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی (الاحزاب)

اور نہ بناؤ سنگار کرو جاہلیت اولیٰ والوں کے بناؤ سنگار کی طرح

یا عرب پر نسلی و لسانی" اور وطنی عصبیتوں کا جو بھوت سوار تھا[1]۔

---

[1] اسی سلسلہ کا مشہور لطیفہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عرب کے مضری قبیلہ سے نسلی تعلق رکھتے تھے جب آپ کے مقابلہ میں مضری قبیلہ کے دوسرے حریف عربی قبیلہ ربیعہ کے ایک آدمی مسیلمہ نے بھی نبوت کے دعوے کا اعلان کر دیا تو لکھا ہے کہ طلحۃ النمری قبیلہ ربیعہ کا ایک سردار مسیلمہ کے پاس گیا
(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تعبیر حمیۃ الجاہلیۃ سے کی گئی ہے یا خدا کے متعلق ارتیابی (اگیناسٹک) ذہنیت عام عربوں پر جو مسلط تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاہلیۃ (آل عمران) اور خیال رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ جاہلیت کے خیالات۔

فرمایا گیا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کسی جگہ پر بھی "جاہلیت" کے اس لفظ کا وہ مطلب سمجھا گیا ہے جو اس زمانہ کے جاہلوں اور ناواقفوں نے سمجھ رکھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے مقابلہ میں عربوں کی غیر اسلامی زندگی اخلاقاً و اعتقاداً جو کچھ بھی تھی اور جن خصوصیتوں کی حامل تھی دراصل اسی کی تعبیر قرآن جاہلیت سے کرتا ہے بہرحال یہ بات کہ اسلام سے پہلے نوشت وخواند سے عرب کے لوگ چونکہ ناواقف تھے اس لیے ان کے زمانہ کو قرآن جاہلیت کا زمانہ قرار دیتا ہے یہ وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن سے بھی جاہل ہے اور ایام جاہلیت کی تاریخ سے بھی

بیرونی شہادتیں | قرآن کی ان اندرونی شہادتوں کے اجمالی بقدر ضرورت تذکرہ کے بعد اب

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) آیا گفتگو کے بعد طلحہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو (مسیلمہ) جھوٹا ہے اور محمد سچے ہیں مگر اسی کے ساتھ طلحہ نے کہا کہ ربیعہ کا کذاب (جھوٹا) مضر کے صادق (راستباز) سے مجھے زیادہ محبوب ہے اس کے بعد مسیلمہ کے رفقاء میں شریک ہوگیا ص۲۴۶ طبری ج ۴ مسیلمہ کے دعویٰ کی بنیاد قومی حمیت وعصبیت پر مبنی تھی اس کا پتہ ان فقروں سے بھی چلتا ہے جو قرآن کے مقابلے میں شریر بنایا کرتا تھا حضرت ابوبکر کے سامنے سنانے والے نے سنایا تھا کہ مسیلمہ یہ بھی کہتا تھا یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون (اے مینڈکی ٹراٹرا تو نہ پانی پینے والوں کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے زمین عرب کی آدھی ہماری یعنی ربیعہ والوں کی اور آدھی قریش کی مگر قریش تو زیادتی سے کام لے رہے ہیں) ص۲۵۳ ج ۳ طبری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بیرونی شہادتوں کی طرف پڑھنے والوں کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ اس موقع پر سب سے پہلے شیعی فاضل علامہ طبرسی کے خیالات کا پیش کرنا مناسب ہوگا انھوں نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے

إِنَّ الْعِلْمَ بصحة نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع العظام والکتب المشهورة۔ (مقدمہ روح المعانی صفحہ ۲۱)

یعنی قرآن اپنی اصلی حالت کے ساتھ گذشتہ نسلوں سے منتقل ہوتے ہوئے پچھلی نسلوں تک پہنچا ہے اس واقعہ کے علم کی نوعیت وہی ہے جو بڑے بڑے شہروں یا مشہور حوادث اور اہم تاریخی واقعات یا مشہور کتابوں کے علم کی ہے۔

بلا شبہ واقعہ یہی ہے آج نیویارک اور لندن کے وجود میں شبہ یا شک جیسے جنون ہے یا جنگ عظیم کے حادثہ کا منکر پاگل سمجھا جائے گا یقیناً متواتر اور متوارث ہونے میں بجنسہ یہی حال قرآن مجید کا بھی ہے کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو جس دن سے قرآن ملا ہے اس دن سے آج تک گذشتہ تیرہ صدیوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کتاب سے وہ جدا ہوئے یا جدا کئے گئے ہیں لاکھوں انسانوں کے حوالے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو کیا اور ان لوگوں نے اپنی بعد کی نسلوں تک اسے پہنچایا جن کی تعداد بلا مبالغہ کروڑوں سے متجاوز تھی اور یوں ہی طبقةً بعد طبقةٍ نسلاً بعد نسلٍ نوشتہ و مکتوبہ شکل میں یہ کتاب مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے پس سچی بات یہی ہے کہ قرآن تو قرآن ایسی کتابیں جیسے نحو میں سیبویہ کی یا اصول میں المزنی کی کتاب ہے بقول علامہ طبرسی :-

لو أنَّ مدخلا ادخل فی کتاب

اگر سیبویہ اور المزنی کی کتابوں میں کوئی شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیبویہ وَالمزنی بابا مِنَ النحو   اپنی طرف سے کسی چیز کو داخل کر دے تو فوراً
لیس من الکتاب یعرف (دروس)   یہ بات پہچان لی جائے گی ۔

تو پھر قرآن میں اضافہ یا کمی کے امکان کی بھلا کیا صورت ہے اسلامی ممالک کے کسی ابتدائی مکتب کا ایک بچہ بھی اس شخص کو ٹوک سکتا ہے جو فتحہ (زبر) کی جگہ کسی حرف کو رفع (پیش) کیسا تھ پڑھے گا جس کا جی چاہے اس کا تجربہ ہر جگہ کر سکتا ہے ۔

تواتر اور توارث کے اس عام قصہ کے سوا قرآن کے جمع و ترتیب کے سلسلہ میں بیرونی روایتوں کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے میرے نزدیک ان کی دو قسمیں ہیں ایک حصہ ان روایتوں یا شہادتوں کا تو وہ ہے جن سے قرآن کے بعض اجمالی بیانات یا شہادتوں کی شرح ہوتی ہے ہم پہلے انھیں کو ذکر کرتے ہیں ۔

تشریحی روایات | مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول وقفہ وقفہ سے تدریجاً جو ہوتا رہا آپ سن چکے ہیں کہ یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے اور ایک سے زائد مقام پر اس دعوی کا ذکر خود قرآن میں کیا گیا ہے اسی عنوان کی تفصیل روایتوں میں یہ ملتی ہے کہ قرآن کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کی حیثیت دراصل مستقل کتابوں یا رسالوں کی قرار دی گئی تھی مثلاً اس کو یوں سمجھیے کہ تاریخ، فلسفہ، اقلیدس، طب اور جغرافیہ وغیرہ مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو ایک ہی مصنف اگر تصنیف کرنا شروع کرے اور تصنیف میں یہ طریقہ اختیار کرے کہ جس کتاب کا جو مواد فراہم ہوتا جائے اُس کو متعلقہ کتاب میں درج کرتا چلا جائے اور یوں آہستہ آہستہ دس بیس برس میں آگے پیچھے اس کی یہ ساری تصنیفیں ختم ہوں واقعہ یہ ہے کہ کچھ یہی کیفیت قرآنی سورتوں یا ان مستقل رسالوں یا کتابوں کی ہے[1] ۔

---

[1] قرآن ہی میں ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے ہوئے یہ جو فرمایا گیا ہے رَسُولٌ مِّنَ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کے مجموعہ کو ہم قرآن کہتے ہیں۔ بتدریج ۲۳ سال میں ان سب کے نزول کا قصہ ختم ہوا ان سورتوں میں کوئی اختتام تک پہلے پہنچی اور کوئی بعد۔ یہی مطلب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا ہے جو ابوداؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں پائے جاتے ہیں آپ نے فرمایا

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں
ینزل علیہ السور ذوات العدد	اترتی رہتی تھیں (یعنی ایک ہی زمانہ میں مختلف
(مختصر کنز العمال برحاشیہ مسند ج۲ ص۴۴)	سورتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا تھا)

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ذوات العدد (متعدد)..... سورتیں تدریجی طور پر جو نازل ہو رہی تھیں ان کے لکھوانے اور قلم بند کرانے کا طریقہ یہ تھا :

فکان اذا انزل علیہ الشئ دعا	جب رسول اللہ پر کوئی چیز نازل ہوتی تو جو لکھا
بعض من کان یکتب فیقول ضعوا	جانتے تھے ان میں سے کسی کو آپ طلب فرماتے
ھذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا	اور کہتے کہ اس آیت کو اس سورہ میں لکھو جس
کذا و کذا (مختصر کنز ص۔)	میں فلاں فلاں باتیں یا آیتیں ہیں[1]

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) رسول من اللہ یتلو صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ اللہ کی طرف سے پیام لاتے ہیں پڑھتے ہیں پاک صحیفوں کو جن میں استوار اور مضبوط لازوال (تعلیم والی) کتابیں ہیں۔ اس میں "کتب" کے لفظ کو "کتاب" کی جمع قرار دینا قطعاً لغت کی خلاف ورزی نہیں بلکہ لغوی معنی بھی ہو بھی سکتے ہیں اور ان سے مراد قرآن کی یہی متعدد کتابیں یا رسالے ہیں جنھیں ہم اصطلاحاً قرآن کی سورتیں کہتے ہیں تو انکار کی کیا کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ صحف میں کتابوں کے ہونے کی ترکیب میں لوگوں نے جو دشواریاں پیدا کر کے طرح طرح کی دور از کار تاویلیں کی ہیں ان کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی صرف سیدھا ترجمہ یہ ہو جاتا ہے کہ پاک اوراق جن میں استوار اور مستحکم کتابیں یعنی سورتیں لکھی ہوئی ہیں ۱۲ مناظر احسن گیلانی۔

[1] اور مسند احمد میں یہ روایت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتانی جبرئیل فامرنی ان اضع ھذہ الآیۃ بھذا الموضع من ھذہ السورۃ (جبرئیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت کی فلاں جگہ پر رکھوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں میں نازل ہونے والی آیتوں کو جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے آپ

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب وہی کہ طب کے متعلقہ مضامین کو طب کی کتاب میں اور تاریخ کے مواد کو تاریخ کی کتاب میں مذکورہ بالا طریقۂ تصنیف اختیار کرنے والا مصنف جیسے داخل کرتا چلا جاتا ہے اسی طرح قرآنی آیات کو ان کی متعلقہ سورتوں میں آنحضرت صلعم شریک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ معلوم ہے خود قرآن ہی نے

وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت) اور نہ لکھا ہے اس کو تم نے اپنے داہنے ہاتھ سے

کی خبر دیتے ہوئے اس کا انکشاف کیا ہے کہ صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے ایک نہیں بلکہ اپنے صحابیوں میں سے چالیس سے اوپر حضرات کو اس کام کے لئے مقرر کر رکھا تھا کہ جس وقت قرآن کی جس سورت کی جن آیتوں کی وحی ہو فوراً پہنچ کر ان کو لکھ لیا کریں العراقی کی منظومہ سیرت میں ان کاتبوں کے نام گناتے ہوئے نظم کی ابتداء اس مصرعہ سے کی ہے

وکتابہ اثنان واربعون۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی تعداد (۴۲) تھی۔

کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وقت پر ایک نہ ملے تو دوسرا اس کو انجام دیدے "عقد الفرید" میں ابن عبد ربہ نے حضرت حنظلہ بن ربیع صحابی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

ان حنظلۃ بن ربیع کان خلیفۃ کل حنظلہ بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) شریک کرتے تھے (دیکھو مختصر کنز العمال صفحہ ۴۸ ج ۲) جس کا مطلب یہی ہوا کہ خود رسول اللہ نے نہیں بلکہ ہر آیت جس سورہ میں جس مقام پر ہے یہ جبریل کے حکم سے ہوا ہے

۱؎ دیکھو الکتانی کی کتاب التراتیب الاداریہ ج ۱ صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ مراکش اسی کتاب میں ان (۴۲) کاتبوں کے نام بھی مل جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاتب من کتابہ علیہ اذا غاب	تمام کاتبوں کے خلیفہ اور نائب تھے

(عقد الفرید ج ۲ ص ۱۴۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حنظلہ کو یہ حکم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ ضرور رہیں تاکہ کاتبوں میں سے اتفاقاً وقت پر اگر کوئی نہ ملے تو کتابت وحی کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ نزول کے ساتھ ہی ہر قرآنی آیت قید کتابت میں آکر قلم بند ہو جاتی تھی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے طبرانی کے حوالہ سے مجمع الزوائد میں یہ روایت ھیثمی نے نقل کی ہے

قالت کان جبریل علیہ السلام یملی	ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام قرآن مجید
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھواتے تھے

(رواہ الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۷)

بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اترنے کے ساتھ جبریل کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیتوں کو لکھوا دیا کرتے تھے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ معلوم ہے نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ قرآنی آیتوں کو خود لکھا کرتے تھے انتہا اس احتیاط کی یہ تھی کہ جب "غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ" کے الفاظ بطور اضافہ کے لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ الآیۃ والی مشہور آیت کے متعلق نازل ہوئے مگر یہی اضافہ جو بقول امام مالکؒ حرف واحد کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس یک حرفی اضافہ کو بھی اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم بند کرنے کا حکم دیا۔ (دیکھو بخاری وغیرہ) امام مالکؒ نے "حرف واحد" اس کو ہارون سے ملاقات کے وقت کہا تھا دیکھئے درمنثور ج ۲ ص ۲۰۳) احتیاط کا اقتضا یہ بھی تھا کہ لکھوانے پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قناعت نہیں فرماتے تھے بلکہ کاتب جب لکھ لیتے تو آپ پڑھوا کر سنتے۔ کاتب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وحی حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ

فان کان فیہ سقط اقامہ — اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درست کراتے (مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۱)

جب یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دے دیا جاتا تھا پھر جو لکھنا جانتے تھے لکھ لیا کرتے تھے اور زبانی یاد کرنے والے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے یہی مطلب ہے زید کے ان الفاظ کا کہ ثم اخرج بہ الی الناس (جب کتابت و تصحیح وغیرہ کے سارے مراتب ختم ہو جاتے تب ہم لوگوں میں اس کو نکالتے یعنی شائع کرتے)

مگر ظاہر ہے کہ ایسی زیر تصنیف متعدد کتابیں جو قرآنی سورتوں کے طریقے سے تدریجی طور پر مکمل ہوں تو ان کے متعلق یہ خیال کرو وہ مسلسل لکھی جاتیں صحیح نہ ہوگا بلکہ قرآنی سورتوں کی آیتوں کے نزول کا جو حال تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً ان آیتوں کی حیثیت اس قسم کی یادداشتوں کی تھی جنہیں مصنفین اپنی پیش نظر تصانیف کے لئے پہلے جمع کرتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان یادداشتوں کو ان کی متعلقہ کتابوں میں ترتیب کے ساتھ درج کرتے چلے جاتے ہیں۔

"ازالۃ الخفا" میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں " مثل آں کہ منشی منشآت خود را یا شاعر قصائد و قطعات خود را در بیاضہا و سفینہا مندرج سازد[1] " اور اسی سے ان دونوں روایتوں کا مطلب سمجھ میں آتا ہے جو اس سلسلہ میں پائی جاتی ہیں یعنی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً قرآن اس قسم کی چیزوں سے مثلاً (رحیم) لخاف (پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں)، کتف (اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈی) اور عسیب (کھجور کی شاخوں

---

[1] ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جڑ کا وہ حصہ جس میں کانٹے والے پتے نہیں ہوتے) یہ اور اسی قسم کی چیزوں میں لکھا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ یہ روایت مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے یعنی بعض صحابہ فرماتے تھے کہ

کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن فی الرقاع

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (چمڑی قطعات) میں قرآن کی تالیف کرتے تھے۔

دونوں روایتوں سے قرآن کی کتابت کے دو طبعی مرحلوں کا پتہ چلتا ہے یعنی پہلی صورت کے متعلق تو یوں سمجھئے کہ شاعر اپنے مختلف اشعار کو جیسے جیسے وہ تیار ہوتے چلے جاتے ہوں چھوٹے چھوٹے پرزوں پہ نوٹ کرتا چلا جاتا ہے پھر جب اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے تب ان ہی یادداشتوں سے اپنی غزلوں کو مرتب کرتا ہے جس شعر کا جس غزل سے تعلق ہوتا ہے اسی میں اس کو داخل کر دیتا ہے سمجھنا چاہیے کہ کچھ یہی صورت قرآن کے متعلق اختیار کی گئی تھی البتہ اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کاغذ وغیرہ معمولی چیزوں پر اپنے منتشر اشعار یا خیالات کو ابتداء بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے ہیں گویا شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں یادداشت کے ان کاغذی پرزوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ "اگر آں کاغذ را آب برسد یا در و آتش بگیرد یا حامل آں بمیرد کا مسودہ ذاہب نابود گردد (یعنی اگر پانی کاغذ کے ان ٹکڑوں میں پہنچ جائے یا آگ لگ جائے یا جس کے پاس کاغذی یادداشتیں ہوں وہ مر جائے تو اس طرح ناپید ہو جائیں جیسے گذشتہ کل نابود ہو جاتا ہے)

مگر آں حضرت صلعم نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے وحی کی ان ابتدائی مکتوبہ یادداشتوں کے لکھوانے کے لئے ایسی چیزوں[۱] کا

---

[۱] لیکن عام طور پر یہ عجیب بات ہے کہ جن الفاظ میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے ترجمہ میں لاپروائی (بقیہ رصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب فرمایا تھا جن کے متعلق یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ عام حوادث و آفات کا نسبتاً زیادہ

(بقیہ حاشیہ سلسلۂ صفحہ گذشتہ) سے لوگوں نے کام لیا جس سے غلط فہمی پھیل گئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ اسکولوں میں بچے پتھر کے ٹکڑوں پر لکھتے ہیں یا ہندوستان قدیم میں لکھنے کا جو طریقہ تھا اس کو بیان کرتے ہوئے کہا جائے کہ تاڑ دار کے پتوں پر لکھا کرتے تھے کیا یہ واقعہ کی صحیح تعبیر ہوگی کیا! سکولوں میں سلیٹ پر لکھنے کا جو رواج ہے پتھر کے ٹکڑے کہنا ان کی صحیح تعبیر ہے اسی طرح ہندوستان قدیم میں تاڑ کے پتوں پہ یوں ہی لکھا جاتا تھا جن لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے تاڑ کے پتوں پہ لکھی ہوئی کتابوں کو نہیں دیکھا ہے صحیح اندازہ شاید ان کو اب بھی واقعہ کی حقیقی نوعیت کا نہیں ہوسکتا لیکن سچی بات یہ ہے کہ کاغذ کے اوراق سے زیادہ بہتر اور محفوظ طریقہ سے تاڑ کے پتوں پر لکھا جاتا تھا جامعہ عثمانیہ میں مسلم کتب خانہ ہی ان کتابوں کا داخل ہوا ہے تب لوگوں کی آنکھیں کھلیں بجنسہ کچھ اسی قسم کا مغالطہ ان چیزوں کے متعلق بھی عوام میں پھیلا ہوا ہے جن پر قرآنی وحی کی ابتدائی یادداشتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوایا کرتے تھے مشہور ہو گیا ہے کہ کھجور کی شاخوں بلکہ بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ کھجور کے پتوں یا پتھروں یا ہڈیوں پر قرآن لکھا ہوا تھا سوچنے کی بات تھی کہ کھجور کے پتوں بلکہ اس کی شاخ میں بھی اتنی گنجائش کہاں ہوتی ہے جس پر سطر دو سطر ہی لکھی جاسکے اسی طرح بن گھڑے پتھر یا گری پڑی ہڈیوں پر لکھنا کیا آسان ہے تفصیل کے لئے تو حضرت الاستاذ مولانا گیلانی کی کتاب پڑھیئے خلاصہ یہ ہے کہ حدیثوں میں ادیم۔ لخاف۔ کتف۔ عسیب۔ اقتاب کے الفاظ آئے ہیں ادیم باریک کھال سے دباغت کے عمل سے تیار ہوتا تھا عرب جو ایک گوشت خوار ملک تھا کافی ذخیرہ ادیم کا یہاں ملتا تھا حتی کہ خیمہ تک صرف ادیم کے چمڑوں سے تیار کیا جاتا تھا لخاف ہر معمولی پتھر کو نہیں کہتے تھے بلکہ بالاتفاق اہل لغت نے لکھا ہے کہ سفید رنگ کی پتلی پتلی چوڑی چوڑی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں سلیٹ اور ان میں فرق گویا صرف رنگ کا ہوتا تھا اسی طرح اونٹ کے مونڈھے کے پاس گول ہڈی طشتری کی طرح بن جاتی ہے اس کو خاص طریقہ سے تراش کر نکالا جاتا تھا کاٹنے کے عمل میں کبھی تنگات وغیرہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رہ جاتا تھا (دیکھو مسند احمد کی روایت از زید بن ثابت صحابی ص ۱۹۱) اسی لئے قطعۃ من الکتف بھی اس کو کہتے تھے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶) عسیب کھجور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے اس میں کافی کشادگی پیدا ہوجاتی ہے۔ تاڑ، ناریل کی شاخوں میں ان کو آپ دیکھ سکتے ہیں عرب کے کھجور کی شاخوں کا یہ حصہ قریب قریب ہندوستان کے ناریل کی شاخوں کے اس حصہ کے برابر ہوتا تھا اس حصہ کو شاخ سے جدا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقابلہ کرسکتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلافت صدیقی میں حکومت کی طرف سے زید بن ثابت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کا ایک نسخہ جو تیار کیا جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے تو آں حضرت صلعم کی لکھائی ہوئی یہ ساری یادداشتیں بالکلیہ جوں کی توں اپنی اصلی حالت میں ان کو مل گئی تھیں مکتوبہ یادداشتوں کے اس انبار سے یہ عجیب بات ہے کہ دو نہیں یا پانچ نہیں بلکہ دو تین بھی نہیں صرف سورہ برات کی آخری حصہ کی ایک یادداشت جس میں صرف دو آیتیں تھیں یہی اور فقط یہی ایک یادداشت والا ٹکڑا اس پورے ذخیرے میں ان کو نہ مل سکا لیکن ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے سینوں میں اور ان کے ذاتی مکتوبہ قرآنی نسخوں میں یہ آیتیں موجود تھیں بلکہ بطور وظیفہ کے ان کے پڑھنے کا معلوم ہوتا ہے کہ عام رواج بھی تھا۔

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) کر لیا جاتا تھا اور ان ہی ٹکڑوں کو خشک کر کے لکھتے تھے اقتاب قتب کی جمع ہے اونٹ کے کجاوے میں چھوٹی پھٹیاں جو استعمال ہوتی ہیں ان کو کہتے ہیں یہ چوڑے چوڑے پتلے پتلے تختوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں تازہ لکڑی کے چرتے ہیں تازگی کی وجہ سے عموماً کھردرے ہوتے ہیں اور پرانے کجاووں میں امتداد زمانہ سے ان کا کھردراپن مٹ جاتا تھا لکھنے کے کام کے بآسانی یہ چیرنے سے بن جاتے تھے بتایا جائے کہ ان تفصیلات سے جو ناواقف ہوگا وہ ان عام پھیلے ہوئے الفاظ سے اگر غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو کیا بعید ہے مولانا گیلانی کی کتاب میں مبسوط بحث ان کتابی مواد پر کی گئی ہے میں نے اسی کا خلاصہ یہاں درج کیا ہے ۱۲۔

لہ ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس باب میں جو مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ برات کی آخر کی ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ اپنے صحابیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ صبح و شام جو آدمی ان کی تلاوت سات مرتبہ کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور دین کے مشکلات اس کی برکت سے حل کر دیں گے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آیتوں کی یہ خاصیت بیان کی ہو کون ہوگا جو معلوم ہو جانے کے بعد ان سے مستفید نہ ہوتا ہوگا اس سلسلہ میں بعض عملی تجربات بھی لوگوں کو صحابہ ہی کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ محمد بن کعب نے اس فوجی مہم کا ذکر کرتے ہوئے جس نے روم کے علاقہ پر حملہ کیا تھا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک فوجی سپاہی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی راستہ میں بے چارے اٹک گئے رستے میں

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال اس وقت تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اوراق آیتوں اور فقروں کی صرف اسی ایک یادداشت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی تمام ابتدائی یادداشتوں کا خلافت صدیقی کے زمانہ میں مل جانا خود بھی ایک ایسا واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں پر ان کے لکھنے کا انتظام کیا گیا تھا جو اتنی طویل مدت یعنی چوبیس پچیس سال تک حوادث و آفات سے محفوظ رہ سکیں اس لئے کہ نزول وحی کی ابتدا سے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے اس عہد تک جس میں قرآن پر حکومت کے حکم سے حضرت زید بن ثابت نے کام کیا اتنی ہی مدت ہوتی چاہئے۔

بہر حال ایام جاہلیت کی تاریخ سے جو جاہل ہیں ان کا یہ خیال قطعاً بے بنیاد ہے کہ لکھنے کے سامان کی کمیابی کی وجہ سے رسول اللہ قرآن کی ابتدائی یادداشتوں کو اس قسم کی چیزوں یعنی چمڑے یا لخاف (سنگی باریک تختیوں) عسیب (شاخ خرما کی جڑ کا عریض حصہ) کتف (شانہ شتر) وغیرہ پر لکھوایا کرتے تھے، لیکن یہ وہی کہہ سکتا ہے جسے عرب کے اس صحیح حالات کا علم نہیں ہے تفصیل تو آگے آرہی ہے کچھ نہیں تو الحاکم مستدرک حاکم کی جو روایت گذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کی کتابت کے پہلے مرحلہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر رقاع میں قرآن کو صحابہ جمع کرتے تھے اور رقاع جیسا کہ معلوم ہے رقعہ کی جمع ہے یہ چمڑے کے خاص قسم کے ٹکڑے ہوتے تھے جو لکھنے ہی کے لئے تیار کئے جاتے تھے گویا (Parchement) رق ہی کی تعبیر رقاع سے کی گئی ہے یا پارچمنٹ ہی کی کسی خاص قسم کا نام رقاع تھا۔ باقی آئندہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) کسی نے ان کو سورۂ براءت کے ان ہی الفاظ کا وظیفہ بتایا اور کہا کہ اسی کو پڑھ کر ٹوٹتے ہوئے مقام کو جھاڑا کر دکھنا ہے کہ عمل سے اس کی تصدیق ہوئی یعنی ٹانگ ان کی درست ہوگئی اور اتنی درست کہ گھوڑے پر سوار ہو کر فوج میں پھر آکر مل گئے۔ دیکھو درمنثور ج ۳ ص ۲۹۷۔

© rasailojaraid.com